مولانا محمد ازہر، مدیر ماہنامہ "الخیر" ملتان

# تاریخ کو مسخ نہ کریں

راقم السطور روزنامہ "خبریں" کی 11جون کی اشاعت میں جناب ہارون الرشید کے "ناتمام" پر انہیں ہدیہ تبریک پیش کرنا چاہتا تھا۔ موصوف کا یہ کالم حق گوئی، راست گفتاری، عالمانہ وسعت نظر، وسیع الفکری اور تاریخی حقائق کو کھلے دل سے تسلیم کرنے کی ایک روشن مثال ہے۔ جناب ہارون الرشید نے پروپیگنڈے اور تعصب کی گہری دھند میں قلندرانہ جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے ماضی قریب کی محبوب مگر مظلوم شخصیات مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا سید عطاءاللہ شاہ بخاری رحمہم اللہ کے علم و تقویٰ، تدبر و فراست اور تکلم و خطابت سے اپنے قارئین کو روشناس کرایا۔ انکی عظمت کے اعتراف میں ماحول کی عصبیت و تنگ نظری سے متاثر نہیں ہوئے۔ حقیقت اور عقیدت کے فرق کو قائم رکھا۔ قائداعظم اور علامہ اقبال کے کارناموں اور ان کے سیاسی مخالفین کی قومی خدمات کے تذکرے میں توازن کو نبھایا۔ مدح و قدح میں حسن اعتدال سے کام لیا۔ ان کا یہ بے لاگ تجزیہ ہر لحاظ سے لائق تحسین اور قابل تائید ہے۔ مگر یہ دیکھ کر حیرت کی انتہا نہ رہی کہ 30جون 1996ء کے روزنامہ "خبریں" میں سید عبدالقدیر صاحب نے "تاریخ کے ساتھ ناانصافی نہ کریں" کے عنوان سے اس کالم پر سخت غصہ اور شدید نکتہ چینی کی ہے۔ انہوں نے ہارون الرشید صاحب کے احساسات کو محض جذبات کا نام دیا۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ اور حضرت شاہ جیؒ کو مخالفین پاکستان کے لقب سے نوازا اور ایک ایسا بے سروپا قصہ لکھ ڈالا جس کا کوئی ثبوت شاہ جیؒ کے معتقدین یا مخالفین کی تحریروں میں نہیں ملتا۔

انہوں نے لکھا کہ شاہ جیؒ نے اپنے زور خطابت میں کہا کہ "ہمارے دکھوں اور مصائب کا علاج پاکستان نہیں اور پاکستان نہیں بنے گا" اس پر ایک شخص چلایا "آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ اس پر شاہ صاحب یوں گویا ہوئے "ہاں میں جھوٹا ہوں اس لئے کہ میں حافظ قرآن ہوں، میں جھوٹا ہوں کہ میری بیوی حافظ قرآن ہے، میں جھوٹا ہوں کہ میری بیٹی حافظ قرآن ہے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ پاکستان نہیں بنے گا ہرگز نہیں بنے گا۔ اگر یہ بن پایا اور میں زندہ رہا تو میرے منہ پر آکر تھوک دینا اور میں زندہ نہ رہا تو میری قبر پر آکر پیشاب کر دینا۔" اس کے بعد احراری کارکنوں نے ہم پر طعن و ملامت کی اور ہمارے سمیت بہت سے اور نوجوان جلسے سے اٹھ

آئے۔عبدالقدیر صاحب کا کہنا ہے کہ یہ آنکھوں دیکھا اور کانوں سنا واقعہ ہے۔

ہمیں افسوس ہے کہ روایت و درایت عبدالقدیر صاحب کے اس مبینہ واقعہ کی تصدیق نہیں کرتے اور اس میں منکرینِ حدیث کے طرز پر رنگ آمیزی، مبالغہ آرائی بلکہ غلط بیانی کے قرائن و شواہد صاف معلوم ہو رہے ہیں۔

اولاً یہ ایک اہم واقعہ ہے مگر اس کا کوئی ذکر شاہ صاحبؒ کے حالات و سوانح میں نہیں ملتا "پاکستان نہیں بن سکتا" ایک بہت بڑا دعویٰ ہے۔ شاہ صاحبؒ جیسا محتاط خطیب اس طرح کا جذباتی نعرہ ہرگز نہیں لگا سکتا اور اس کے لئے ان کی پوری زندگی کی شہادت کافی ہے۔

ثانیاً اگر شاہ صاحب نے ایسا فرمایا ہو تا تو ان لیجئے کہ ان کے معتقدین نے ازراہ عقیدت و محبت اس کو ذکر نہ کیا مگر مخالفین کو کیا ہوا کہ وہ بھی اس قسم کے دعوے کا یکسر کوئی تذکرہ نہیں کرتے حالانکہ وہ انہیں اب تک معاف کرنے کیلئے تیار نہیں۔ کیا عبدالقدیر صاحب کے علاوہ باقی تمام لوگوں کے ذہن سے یہ واقعہ فراموش ہوگیا یا وہ تاریخی حقائق کی نقاب کشائی میں عبدالقدیر صاحب کے "مقام" تک نہیں پہنچ پائے؟

ثالثاً شاہ جیؒ زبان آشنا، سخن فہم اور معجز بیان خطیب تھے۔ان کی زبان تسنیم و کوثر سے دھلی ہوئی ہوتی۔الفاظ موتی بن کر منہ سے جھڑتے اور فقرے پھولوں کی طرح خوبصورت، نازک اور خوشبو آفریں ہوتے۔وہ نہ صرف عوام کے مجمعوں کو اپنی سحربیانی سے مسحور کرتے بلکہ بڑے بڑے اہلِ علم و فضل اور خطبائے وقت بھی ان کی خطابت و اثر آفرینی کا لوہا مانتے تھے۔جس شخص کی دل نشین و دلنواز خطابت کو ابوالکلام آزاد، بہادر یار جنگ، احمد سعید دہلوی اور علامہ شبیر احمد عثمانی جیسے شعلہ بیان اور آتش نواز خطیبوں نے خراج تحسین پیش کیا ہو اس کے حسن خطاب اور خوبیٔ تقریر کا اندازہ کچھ مشکل نہیں۔ایسے فصیح و بلیغ خطیب کے بارے میں "میرے منہ پر آکر تھوک دینا اور میری قبر پر آکر پیشاب کر دینا" جیسے الفاظ منسوب کرتے وقت اتنا تدبر بھی نہیں کیا گیا کہ شاہ جیؒ کو سننے والے ایسے عامیانہ فقروں کی بندش ہی سے اندازہ لگالیں گے کہ یہ سنگریزے بخاریؒ کی زبانِ گوہر افشاں کی تخلیق نہیں۔تعجب ہے کہ اقلیم خطابت کا تاجدار اور بخاریؒ جیسا قادر الکلام انسان کسی پیشین گوئی کے قطعی ہونے کو بیان کرنے کیلئے "میری قبر پر آکر پیشاب کر دینا" جیسے رکیک اور سوقیانہ جملوں کا سہارا لیتا ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ راوی روایت وضع کرتے وقت شاید یہ بھول گیا کہ ع بزم میں اہل سخن بھی ہیں تماشائی بھی

رابعاً "میں جھوٹا ہوں کہ میری بیوی حافظِ قرآن ہے' میں جھوٹا ہوں کہ میری بیٹی حافظِ قرآن ہے" جیسے فقرے استدلال کی کونسی صنف ہے؟ یہ جملے تو صرف و نحو کے اعتبار سے بھی صحت کے معیار سے گرے ہوئے ہیں۔ جبکہ مضمون نگار بڑی جرأت سے انکی نسبت ایک بلندپایہ اور نادرۂ روزگار خطیب کی طرف کررہا ہے۔

بایں ہمہ ممکن تھا کہ کوئی خوش فہم اس سخن سازی کو حقیقت پر محمول کرلیتا مگر قدرت نے مضمون نگار کے قلم سے ایسے جملے لکھوادیئے جنہوں نے پردۂ فریب کو برسرِعام چاک کردیا۔ عبدالقدیر صاحب خود ساختہ روایت میں رنگ آمیزی کرتے وقت یہ احتیاط نہ کرسکے کہ وہ یہ تحقیق کرلیتے کہ امیرشریعتؒ کی بیوی اور بیٹی قرآن کریم کی حافظ تھیں یا نہیں' جس پر ان کے الزامات کی پوری عمارت قائم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت امیرشریعتؒ کی اہلیہ محترمہ حافظہ نہ تھیں اور نہ ہی صاحبزادی صاحبہ حافظہ ہیں اور اسے حضرت امیرشریعتؒ اور ان کے خانوادہ سے تعلق رکھنے والے سینکڑوں نہیں ہزاروں افراد جانتے ہیں۔ کیا عقل باور کرسکتی ہے کہ شاہ صاحبؒ جیسا انسان لاکھوں کے مجمعے میں ایک خلافِ حقیقت بات کی نسبت اپنی بیوی اور بیٹی کی طرف کرے اور یہ نہ سوچے کہ اس غلط بیانی کے کیا نتائج سامعین پر مرتب ہوں گے۔ اور مستقبل کا مؤرخ ان کے بارے میں کیا رائے قائم کرے گا۔ میرے خیال میں کسی شخص نے آج تک اس دیدہ دلیری سے بہتان طرازی نہ کی ہوگی۔

ع چہ دلاوراست دزدے کہ بکف چراغ دارد

اس خودساختہ روایت کی حقیقت بیان کرنے کے بعد مضمون نگار کی خدمت میں عرض ہے کہ شاہ صاحبؒ کے طریق سیاست سے اختلاف ہوسکتا ہے مگر جہادِ حریت اور استخلاصِ وطن کی تحریک میں شاہ صاحبؒ کی مجاہدانہ خدمات کا انکار سورج پر تھوکنے کے مترادف ہے۔ برطانوی سامراج کے خلاف اپنے گفتار و کردار سے رائے عامہ کو بیدار کرنا' برصغیر کے مسلمانوں کو احساسِ شکست اور مایوسی سے بچانا' ان کے قلوب میں حریت و استخلاصِ وطن کی تڑپ پیدا کرنا اور انہیں دین و ملت کی خاطر ہر طرح کی قربانی پر آمادہ کرنا شاہ جیؒ کے ایسے کارنامے ہیں جن سے ان کے بڑے سے بڑے سیاسی مخالف کو بھی مجالِ انکار نہیں۔

قائداعظم اور علامہ اقبال کے مقام و مرتبہ کے قائل ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ ہم جہادِ آزادی کے دوسرے مجاہدین اور قومی محسنین کو ناقابلِ ذکر قرار دے دیں۔ جناح اور اقبال کی سیاسی فراست و بصیرت کے اعتراف سے یہ مفہوم کشید کرنا کیسے درست ہے کہ ان کے سیاسی حریف عقل و فہم

سے عاری تھے؟ قائداعظم اور علامہ اقبال سے اظہارِ عقیدت کی آزادی ہے مگر اس آزادی کا یہ مطلب نہیں کہ آپ دوسری محترم شخصیات کی توہین اور ان پر الزام تراشی کرکے ان کے معتقدین کی دل آزاری کریں۔ یہ کمال تعصب و تنگ نظری ہے کہ آزادی کی جدوجہد کرنے والوں کی فہرست میں جناح اور اقبال کے ساتھ مولانا آزادؒ اور بخاریؒ کے نام آجائیں تو بعض لوگوں کی طبع نازک پر گراں گزرے۔ اگر عقیدت غلو کی یہ صورت اختیار کرلے تو کیا مولانا آزادؒ اور امیر شریعتؒ کا کوئی معتقد یہ نہیں کہہ سکتا کہ ابوالکلامؒ اور بخاریؒ جیسے اساطین علم و فضل کے ساتھ جناح و اقبال جیسے "دنیاداروں" کے ذکر سے اس کے جذبات کو ٹھیس پہنچی ہے۔ اس لئے ہماری گزارش ہے کہ تاریخ ضرور بیان کریں مگر تاریخ کو مسخ نہ کریں! اور اس حقیقت کو بھی فراموش نہ کریں کہ جہاں اس ملک میں قائداعظم اور علامہ اقبال کی جدوجہد اور کامیاب سیاست کے مدّاح موجود ہیں وہاں ابوالکلامؒ اور بخاریؒ کے اخلاص و للّٰہیت، ایثار و عزیمت اور محبت و شرافت کے قتیل بھی بستے ہیں۔

* * * *

(بقیہ از ص ۴۸)

عمر ہا چرخ بہ گردد کہ جگر سوختہ
چوں من ازدودۂ آتش نفساں برخیزد

"مشرقی ذخیرہ ہائے علوم کی تمام لذتیں ان کے ساتھ ہی رخصت ہوگئیں۔ اب ہمارے قدیم اندوختے پر اتنی وسیع نظر اور دور حاضر کے علوم سے ایسی گہری واقفیت یک جا کہاں ملے گی۔ مجمع البحرین رخصت ہو گیا اور اس کی جگہ لینے والا تو کیا پیدا ہوگا، ایسا بھی کوئی نہیں جو خود اس کی وسعتِ علم و نظر کا صحیح اندازہ کرسکے"

"مولانا ان بزرگانِ روزگار میں سے تھے جن کے مطالب صرف انھی کی زبان، انھی کے بیان اور انھی کے اسلوب میں ٹھیک ٹھیک واضح ہوسکتے ہیں"

"میں ان لوگوں میں سے ہوں جو جزم کے ساتھ یقین کئے بیٹھے ہیں کہ یہ دور منقلب ہوگا۔ اعتراف کیا جائے گا جو برابر بڑھتا رہے گا جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری، آفتابِ جہاں تاب کی درخشندگی کا مقابلہ کب تک کرے گی"؟

یہ کتاب مہر سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، ۱۳ سلام سٹریٹ مسلم ٹاؤن لاہور ۱۲ نے شائع کی ہے۔ ضخامت ۲۸۸ صفحات اور قیمت ۱۵۰ روپے ہے۔